# مصر کی طالبات کا ایک مطالعہ
## احیائے اسلام کے اثرات

مسلم سجاد

ساری دنیا میں احیائے اسلام کی جو لہر اٹھ کھڑی ہوئی ہے' اس کا ایک بڑا اور بہت اہم مرکز مصر ہے' جہاں اخوان المسلمون کی عظیم الشان اور قدیم تحریک اس مقصد کے لیے ۱۹۲۸ سے سرگرمِ عمل ہے' اور الجماعۃ الاسلامیہ جیسی تنظیم بھی وجود میں آ چکی ہے۔ تحریکِ اسلامی نے جو گہرے اثرات مصری خواتین اور طالبات پر ڈالے ہیں وہ اپنوں اور غیروں سب کے لیے باعثِ حیرت ہیں۔ اس لیے کہ مصر نپولین کے ذریعہ سب سے پہلے مغربی تہذیب کی یلغار کا شکار ہوا' اور وہاں کی اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سب سے بڑھ کر مغرب زدگی کا شکار بنیں' یہاں تک کہ نہ صرف انھوں نے حجاب کو خیرباد کہا' بلکہ اسکرٹ کا نیم عریاں لباس بھی اختیار کر لیا۔ اب اسلامی تحریک نے تعلیم یافتہ خواتین میں مغرب زدگی کی اس رَو کا رخ پلٹا دیا ہے' اور یہ اہلِ مغرب کے لیے ایک سخت "تشویشناک" امر ہے۔

عرصہ سے مغرب کی علمی سرگرمیوں کا ایک دائرہ یہ بھی ہے کہ وہ عالمِ اسلام کے موجودہ حالات کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے جامعات اور تحقیقی ادارے تحقیق کاروں کو متعین موضوعات کے حوالے سے مسلم ممالک بھیجتے ہیں' تاکہ وہ یہاں کے رجحانات کے بارہ میں براہِ راست تحقیق و مشاہدہ کی بنیاد پر معلومات فراہم کریں' جن کی روشنی میں مغرب اپنی پالیسی بنا سکے۔

اس کے بالمقابل اگر ہم مسلم ممالک کی علمی سرگرمیوں کا جائزہ لیں تو یہ انتہائی افسوسناک صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ مغرب تو کجا' اپنے دوسرے برادر اسلامی ممالک کے بارہ میں بھی براہِ راست جاننے کی کوئی کوشش نہیں۔ ہمارے وہ صحافتی ادارے' جو اپنی ایمپائر بنا چکے ہیں' یہ

تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ اہم مسلم ممالک کے دارالخلافوں میں اپنے نمائندے متعین کریں تا کہ وہاں کے صحیح حالات سے ان کے ملک کے مسلمان آگاہ ہوں۔ جو خبریں' تبصرے اور جائزے مغربی اخبارات شائع کرتے ہیں' ہمارے اخبارات انھی کو شائع کر دینا بہت بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے پڑھنے والے دنیا کو ویسا ہی دیکھتے ہیں جیسا مغرب دکھانا چاہتا ہے۔

اس کا تو بھلا کیا سوال ہے کہ ہمارے تحقیقی ادارے اور جامعات تحقیق منصوبے ہاتھ میں لیں' مطالعاتی دوروں کا انتظام کریں' پی ایچ ڈی کے لیے ایسے موضوعات دیے جائیں اور ان کے ساتھ اتنا مالی عطیہ بھی ہو کہ تحقیق کار متعلقہ ممالک میں قیام کرے اور معلومات حاصل کرے۔

مصر میں احیائے اسلام کی لہر کے بارہ میں کافی عرصہ سے ہمارے اخبارات میں مختلف خبریں شائع تو ہو رہی ہیں' مگر وہ نہ صرف نہایت سرسری اور سطحی معلومات ہوتی ہیں' بلکہ بیشتر مغرب کی فراہم کردہ' اور انھی کے نقطہ نظر کی عکاس ہوتی ہیں۔ ہماری کسی جامعہ یا تحقیقی ادارے کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہاں کے حالات یہ تقاضا کرتے ہیں کہ خود ہمارا کوئی سکالر جاکر صورتِ حال کا مشاہدہ کرے اور ہمیں آگاہ کرے۔

حال ہی میں امریکہ کے ایک وقیع علمی رسالہ "دی مسلم ورلڈ" میں قاہرہ کی طالبات کے ایک مطالعہ کے حوالے سے وہاں احیائے اسلام کی علم بردار طالبات کے بارہ میں اعداد و شمار پر مبنی ایک مضمون "Young women members of the Islamic Revival Movement in Egypt" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ مغرب کے مقاصد کے لیے سہی' مغرب کی عینک ہی سے سہی' لیکن ان کا یہ معلوماتی مطالعہ اس قابل ہے کہ ہم اس سے واقف ہوں اور یہ جانیں کہ مغرب ہمارے بارہ میں کس طرح سوچ رہا ہے۔

بنیادی طور پر یہ مطالعہ اس لیے کیا گیا تھا کہ ملازمت اور شادی کے حوالہ سے خواتین کے تعلیم جاری رکھنے یا ختم کرنے کے بارہ میں رویے اور ان کی وجوہات معلوم کی جائیں' اور اس کا تعلق' بقول حسنی مبارک' مصر کے "ام المسائل" یعنی اضافہ آبادی سے معلوم کیا جائے۔ لیکن کیونکہ جن طالبات کو تحقیق کے لیے منتخب کیا گیا' ان کا ایک حصہ اسلام پسند طالبات پر مشتمل تھا' اس لیے انھی حاصل کردہ معلومات سے تحقیق کاروں نے طالبات پر احیائے اسلام کے اثرات کا اندازہ کرنے کی کوشش کی ہے' اور الجماعۃ الاسلامیہ کی ارکان کے ملازمت' شادی' اولاد جیسے معاملات کے بارہ میں رویوں کا غیرارکان عام طالبات کے رویوں سے تقابل بھی کیا ہے۔

اس مطالعہ کے لیے قاہرہ کے پبلک اسکولوں کی ۸۰۰ طالبات سے' جو پرائمری' وسطانی اور ثانوی جماعتوں کی سینئر کلاسوں میں تھیں' اور جن کی اوسط عمریں علی الترتیب ۱۲' ۱۵ اور ۱۸ سال تھیں' ۳ سال کی مدت میں ۷ مرتبہ انٹرویو لیے گئے۔ پہلا انٹرویو ۱۹۸۰ کے شروع میں اور آخری ۱۹۸۳ کے آخر میں لیا گیا۔ اس طرح اسی مطالعہ سے ۱۰ سال قبل کی تصویر سامنے آتی ہے۔ گزشتہ دس سال میں اسلام کا پیغام زیادہ وسعت و قوت اختیار کر چکا ہے۔ ۱۹۸۷ کے پارلیمانی انتخابات میں اخوان المسلمون اور سوشلسٹ لیبر پارٹی کے اتحاد کو ۲۱ فی صد ووٹ حاصل ہوئے ہیں۔ معاشرتی اور سیاسی طور پر احیائے اسلام کے اثرات اتنے نمایاں ہیں کہ سارے مغرب میں پریشانی ہے۔

انٹرویوز کے دوران ۸۰۰ کے سیمپل میں الجماعۃ الاسلامیہ کی ۳۷ ارکان کی موجودگی کا پتا چلا' یعنی کُل کا تقریباً ۵ فی صد۔ ہر لحاظ سے یہ ایک بڑی تعداد ہے۔

## ارکان اور عام طالبات کا تقابل

**ملازمت:** گھر سے باہر کام' یعنی ملازمت کے بارہ میں' عام طالبات میں ۵۷ فی صد یہ تصور رکھتی ہیں کہ گھر سے باہر ملازمت سے عورت کو مرد کے مساوی درجہ حاصل ہوتا ہے' جب کہ ارکان میں صرف ۳۰ فی صد اس تصور کی حامی ہیں۔ ۲۷ فی صد ارکان ہر طرح کے حالات میں گھر سے باہر ملازمت کی بالکل مخالف ہیں' جب کہ عام طالبات میں یہ تعداد صرف ۱۰ فی صد ہے۔ جہاں تک شادی شدہ عورتوں کی ملازمت کا تعلق ہے' ۶۵ فی صد ارکان اس کی مخالف ہیں' جب کہ عام طالبات میں یہ تعداد ۳۶ فی صد ہے۔ بچوں کی پیدائش کے بعد' ۵۷ فی صد ارکان کی رائے میں عورتوں کو ملازمت چھوڑ کر گھر میں رہنا چاہیے' اور ۳۸ فی صد کی رائے میں بغیر تنخواہ کی طویل رخصت لے لینا چاہیے۔ یعنی صرف ۵ فی صد کام جاری رکھنے کی حامی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عام طالبات میں بھی صرف ۱۱ فی صد ہی کام جاری رکھنے کی حامی ہیں۔ ۴۴ فی صد ارکان کی نظر میں عورتوں کے لیے سب سے مناسب پیشہ تدریس ہے' جب کہ ۲۲ فی صد سمجھتی ہیں کہ ہر ملازمت عورتوں کے لیے غیر موزوں ہے۔

ملازمت کے دوران مردوں سے رابطے کے بارہ میں ۳۵ فی صد نے مکمل مخالفت کی اور ۵۳ فی صد نے مناسب حدود کے اندر قبول کرنے کی رائے دی۔

**اولاد:** اس سوال کے جواب میں کہ شادی کے فوراً بعد بچے ہوں یا اسے ملتوی کیا جائے' ارکان میں ۶۲ فی صد نے ملتوی کرنے کے خلاف رائے دی' جب کہ عام طالبات میں سے ۵۸ فی

صد' بچے ملتوی کرنے کے حق میں تھیں۔

ان اعداد و شمار پر رائے دیتے ہوئے تحقیق کاروں نے اپنے مقصدِ تحقیق کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ یہ اراکین احیائے اسلام کے اثرات کی وجہ سے' ملازمت کی مخالف ہیں اور شادی کے فوراً بعد بچوں کے حق میں ہیں۔ اگر یہ اثرات نہ ہوتے تو یہ طالبات تعلیم کے حصول کے بعد ملازمت کرتیں' اور ان کے ملازمت کرنے سے بچوں کی شرح پیدائش میں کمی ہوتی۔ اس طرح احیائے اسلام کے اثرات خاندانی منصوبہ بندی کی سرکاری مہم کے خلاف پڑتے ہیں۔

تحقیق کاروں نے الجماعۃ الاسلامیہ کی ان اراکین کے بارہ میں کچھ اور باتیں بھی لکھی ہیں' جن کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

الجماعۃ الاسلامیہ کا رکن بننے کے لیے کسی رسمی کارروائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ اسلام پر ایک طریقۂ زندگی کی حیثیت سے اپنے ایمان کے اظہار کے لیے شامل ہوتی ہیں۔ تحقیق کاروں کی رائے میں' عموماً اس کا ایک بڑا محرک مصری معاشرہ میں مغرب کے تہذیبی اثرات کی مخالفت ہے۔ وہ الجماعۃ الاسلامیہ کی ایک نوجوان خاتون کا یہ بیان پیش کرتے ہیں :

> کبھی ہم یہ سمجھتے تھے کہ ایک کامیاب اور خوشگوار زندگی کے لیے مغربی معاشرہ میں سب کچھ ہے۔ اگر ہم مغرب کے پیچھے چلے تو ہم ترقی کریں گے۔ اب ہم جان گئے ہیں کہ یہ درست نہیں ہے۔ مغربی معاشرے بیمار معاشرے ہیں۔ ان کی مادی خوشحالی بھی توڑپھوڑ کا شکار ہے۔ امریکہ میں جرائم اور فحاشی کا دور دورہ ہے۔ روس کا حال بدتر ہے۔ کون ایسا بننا چاہے گا؟ ہمیں خدا کی طرف آنا چاہیے۔

ان اراکین کے لباس کے بارہ میں بھی تحقیق کاروں نے خاص طور پر لکھا ہے۔ لباس سے ان کے تحریک سے تعلق کے درجہ کا اظہار ہوتا ہے۔ مختلف اسٹائل سے رکنیت کے تین درجے واضح ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلہ کے لیے خصوصی طور پر بنے ہوئے لباس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب طالبات الجماعۃ الاسلامیہ میں شامل ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں' اور فیصلہ ۱۲ سال کی عمر میں بھی کیا جا سکتا ہے' تو وہ چینٹ سوٹ یا لمبی اسکرٹ کے ساتھ طویل آستینوں کا بلاؤز پہنتی ہیں' اور سر پر سکارف باندھ لیتی ہیں۔

دوسرے درجے میں مکمل پردہ دار لباس کی ضرورت ہوتی ہے۔ سر پر عام اسکارف کے بجائے الخمر اوڑھا جاتا ہے' جو سر کو اور پشت پر بالوں کو بھی ڈھک لیتا ہے۔ سامنے سے یہ ٹھوڑی کے نیچے سے گزرتا ہے' لیکن چہرہ کھلا ہوتا ہے۔ یہ کیتھولک نن کے سر کے لباس کے مشابہ

ہے۔ جسم پر الجلباب ہوتا ہے' جو لمبی آستینوں والا ڈھیلا ڈھالا لباس ہے۔

تیسرے مرحلے میں نقاب ڈالی جاتی ہے۔ یہ ایک مستطیل کپڑا ہے' جو سر کے پیچھے باندھا جاتا ہے اور سامنے سے یہ آنکھوں کے نیچے چہرہ کو چھپاتا ہے۔ عام طور پر آنکھوں پر چشمہ لگایا جاتا ہے۔ نقاب کو اکثر الاسٹک سے باندھا جاتا ہے تاکہ جب خاتون دوسری خواتین کے ساتھ یا گھر میں ہو تو نقاب کو اتارا جاسکے۔

پہلے دو مرحلوں کی خواتین کو محجبات اور تیسرے مرحلے کی خواتین کو منتقبات کہا جاتا ہے۔

تحقیق کار کہتے ہیں کہ اسلامی لباس شرم و حیا کے علاوہ بھی بہت کچھ دیتا ہے۔ یہ پردہ کرنے والوں کے درمیان معاشی تفاوت پر بھی پردہ ڈال دیتا ہے اور سب کو ظاہراً ایک جیسا بنا دیتا ہے۔

ہمارے سیمپل کی طالبات ۳ سال سے اسلامی لباس پہن رہی تھیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ اسلامی لباس پہن کر آپ کیسا محسوس کرتی ہیں' ۲۸ فی صد نے اطمینانِ قلب اور ۴۱ فی صد نے خدا سے قربت کی کیفیت کا اظہار کیا۔

صرف ۱۳ فی صد نے ہچکچاہٹ کی کیفیت بیان کی۔

۴۱ فی صد طالبات نے کہا کہ انھوں نے اپنی ایک نہ ایک سہیلی کو تحریک میں شامل ہونے اور اسلامی لباس پہننے پر آمادہ کیا۔

۷۹ فی صد طالبات سمجھتی ہیں کہ تحریک میں شمولیت نے ان کی زندگیوں کو تبدیل کر دیا ہے۔

۹۱ فی صد نے کہا کہ ان کی نسبت جس سے طے ہو اسے مذہبی ہونا چاہیے۔ اگر ان کے منگیتروں نے چاہا کہ وہ اسلامی لباس ترک کر دیں تو ان کا رویہ کیا ہوگا؟ صرف ۳ فی صد نے کہا کہ وہ مان لیں گی۔ سیمپل کی ۵۸ فی صد طالبات نے کہا کہ اگر تحریک اور منگیتر کے درمیان انتخاب کرنا پڑا تو وہ منگیتر کو چھوڑ دیں گی۔ اس سے ان کے اپنے مقصد سے تعلق کی گہری مضبوطی کا اظہار ہوتا ہے' اس لیے کہ مصر میں عورت کے لیے شادی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

سب سے دلچسپ انکشاف یہ ہے کہ تحریک کی یہ ارکان طالبات عام طالبات کے مقابلہ میں زیادہ تعلیم یافتہ ہیں' اعلیٰ تعلیمی معیار کی حامل ہیں' اور زیادہ تعلیم یافتہ گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ۳۰ فی صد کے باپ' اور ۱۴ فی صد کی مائیں یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ ہیں' جب کہ عام طالبات میں یہ تناسب ۱۸ اور ۴ فی صد ہے۔ سماجی اور معاشی حیثیت سے بھی یہ آگے ہیں۔ ارکان کی ۸۶ فی صد تعداد متوسط اور اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتی ہے' جب کہ عام طالبات میں یہ تعداد ۷۰ فی صد

ہے۔ اس طرح مغرب کے اس نظریہ کا پول بھی کھل جاتا ہے کہ احساسِ محرومی' معاشی پس ماندگی اور مستقبل سے مایوسی جیسے عوامل کے بل پر اسلامی تحریکیں قوت پکڑ رہی ہیں۔

اختتام پر' تبصرہ کرتے ہوئے تحقیق کاروں نے لکھا ہے کہ یہ نوجوان لڑکیاں اسلام کے روایتی طریقوں پر اپنے یقین کا اظہار کر رہی ہیں اور مصر کے بیشتر معاشرہ میں کئی عشروں سے جو طریقِ زندگی رائج ہے' یہ اس کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ اگر نوجوانوں کا یہ نمونہ کل کی تحریک کا نمائندہ ہے' تو مصری معاشرہ کے مستقبل کے لیے اس کے مضمرات بڑے "خطرناک" ہیں۔

ایک مسلم معاشرہ کے اسلامی رجحانات کے بارہ میں یہ مغربی مطالعہ' معلومات اور دلچسپی کے علاوہ اس لیے بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ مسلم معاشروں کا مطالعہ مسلم نقطۂ نگاہ سے کیے جانے کی ضرورت کا احساس بیدار ہو۔

---